اکائی نمبر 22: دہلی کا دبستانِ شاعری

ساخت

22.1 : اغراض و مقاصد
22.2 : تمہید
22.3 : دہلی کا دبستانِ شاعری
22.3.1: شمالی ہند میں اردو شاعری کا پس منظر
22.3.2: دہلی دبستان کے موضوع، معیار اور ادوار
22.3.3 دہلویت سے کیا مراد ہے
22.3.4 دہلی کے نمائندہ شعرا کا نمونہ و کلام
22.4: آپ نے کیا سیکھا
22.5: اپنا امتحان خود لیجیے
22.6: فرہنگ
22.7: سوالوں کے جوابات
22.8: کتب برائے مطالعہ

22.1: اغراض و مقاصد

اس اکائی میں آپ

- دہلی میں اردو شاعری کے پس منظر سے واقفیت حاصل کریں گے۔
- دہلویت کے معنی و مطالب کو سمجھیں گے۔
- دہلی میں اردو شاعری کے ادوار سے واقف ہونگے ۔
- دہلی کے اہم شعرا کے نمونہء کلام سے متعارف ہو نگے۔

22.2: تمہید

دبستان یا اسکول کا تعلق مخصوص حالات ''ماحول'' قواعد وضوابط اور ان کی مسلسل پیروی پر اصرار کرنے سے ہے دبستان اور تحریک یا رجحان میں فرق ہوتا ہے ۔ دبستان یا اسکول کے لئے کسی نہ کسی طور پر استادی اور شاگردی کا رشتہ ضروری ہے۔ دبستان میں بعض خاص اصولوں کی پابندی نیز موضوع و مواد، طرز اسلوب کی پیروی لازمی ہے۔ تحریک کے مقابلے میں دبستان کا دائرہ محدود ہوتا ہے۔ دبستان میں تحریک کی طرح ایسا

کوئی واضح مقصد نہیں ہوتا جس کے لئے عملاً جدوجہد کی جائے۔

دبستان کے تحت شعرا و ادبا خاص رویہ اختیار کر کے، مخصوص طرز اسلوب پر عمل پیرا ہو کر اپنے شاگردوں سے بھی اس کی پیروی توقع کرتے ہیں۔ جو لوگ اس مخصوص روش، رویے یا طرز کو اختیار کرتے ہیں وہ اس مخصوص دبستان سے متعلق تصور کئے جاتے ہیں اور انھیں اسی دبستان سے وابستہ سمجھا جاتا ہے۔

ادبی دبستان کے لئے ایک خاص نقطۂ نظر، حالات، رنگ، طرز، افتادطبع، مزاج و ماحول کی ضرورت ہوتی ہے۔ ایک طویل عرصے تک جب کسی مخصوص علاقے میں مخصوص حالات کے تحت مخصوص موضوعات شعرو ادب کا عنوان بنتے ہیں تو اسے دبستان کا نام دیا جاتا ہے۔

اردو ادب میں دو ادبی دبستان دہلی دبستان اور لکھنوی دبستان مشہور ہیں۔بعض ادبی مراکز دکن، رام پور، بھوپال اور ٹونک وغیرہ کو بھی بعض حضرات اسکول یا دبستان سے موسوم کرنے پر اصرار کرتے ہیں جبکہ دبستان کی نوعیت حیثیت اور خصوصیات کے اعتبار سے دہلی اور لکھنؤ کو چھوڑ کر باقی علاقوں کو ادبی مرکز یا ادبی گہوارہ تو کہا جا سکتا ہے دبستان نہیں کہا جا سکتا۔

اگر چہ یہ حقیقت ہے کہ دہلی اور لکھنؤ سے قبل اردو شاعری دکن میں پروان چڑھی، وہاں مختلف اصناف میں طبع آزمائی کی گئی اور ولی دکنی اور ان کے دیوان کے دہلی پہنچنے کے بعد ہی شمالی ہند میں با قاعدہ طور پر اردو شعرو شاعری کی جانب توجہ دی گئی۔ بلا شبہ دکن اردو زبان و ادب کا اہم مرکز رہا ہے اور اس نے اردو زبان و ادب کے فروغ میں تاریخ ساز کردار ادا کیا ہے لیکن اس کے باوجود ناقدین اسے دبستان کا درجہ دینے کے حق میں نہیں۔

علی جواد زیدی نے اپنی کتاب ''دو ادبی اسکول'' میں دبستانوں کے وجود سے انحراف کرتے ہوئے دہلی اور لکھنؤ کے دبستان شاعری کے وجود پر بھی سوالیہ نشان قائم کر دیا ہے۔لیکن اہالیانِ ادب کا بڑا طبقہ دبستانوں کے وجود، ان کی ادبی خدمات نیز اہمیت کو تسلیم کرتا ہے اور پروفیسر نور الحسن ہاشمی نے ''دلّی کا دبستانِ شاعری'' اور پروفیسر ابو اللیث صدیقی نے ''لکھنؤ کا دبستانِ شاعری'' کے عنوان سے کتابیں لکھ کر مذکورہ بالا دونوں دبستانوں کی حیثیت، اہمیت، خدمات و کردار کا مفصل احاطہ پیش کر کے ان کے وجود کو ثابت کر دکھایا ہے۔اس ضمن میں نورالحسن ہاشمی لکھتے ہیں:

'' بعض صاحبان، دہلی اور لکھنؤ کے وجود سے انکار کرتے ہیں اور چند مثالیں پیش کر کے جتانا چاہتے ہیں کہ دہلی میں بھی وہی شاعری ہوتی تھی جیسی کہ لکھنؤ میں۔ عرض ہے کہ ایسی چند مثالوں کو مستثنیات میں شمار کرنا چاہئے اور مستثنیات کلّیات کو رد نہیں کر سکتے۔ دیکھنا یہ چاہئے کہ کس قسم کی شاعری کہاں بیت زیادہ ہوتی ہے۔ اسی طریقہ کار کو بنیاد بنا کر کوئی حکم لگایا جا سکتا ہے۔ کیفیت اور کمیت دونوں کو پیش نظر رکھا جائے گا تو یہی ثابت ہوگا کہ دہلی اور لکھنؤ دونوں کے اپنے مخصوص دبستان رہے ہیں''۔

22.3 دہلی کا دبستانِ شاعری

22.3.1 شمالی ہند میں اردو شاعری کا پس منظر

شمالی ہند میں 1700ء سے قبل اردو شاعری کا باقاعدہ رواج نہیں ملتا البتہ بعض نمونے ایسے ضرور مل جاتے ہیں جنھیں ابتدائی کوششوں کا نتیجہ کہا جا سکتا ہے۔ غزنوی عہد کے شاعروں میں مسعود سعد سلمان کا نام سرِ فہرست ہے جنھوں نے عربی، فارسی کے ساتھ ابتدائی مروجہ اردو میں شعر کہے۔ اگر چہ ان کا کلام دستیاب نہیں ہے لیکن امیر خسرو نے دیباچہ ''غرۃ الکمال'' میں 66ان کے تین دیوان عربی، فارسی ہندی کا ذکر کیا ہے۔ شمالی ہند میں بعض صوفی حضرات حضرت خواجہ بختیار کاکیؒ اور حضرت خواجہ بابا فرید گنج شکر کے اشعار مقامی مخلوط زبان میں مل جاتے ہیں اس سلسلے میں پہلا اہم نام امیر خسرو کا ہے۔ جو کہ اصلاً فارسی شاعر تھے لیکن جنھوں نے فارسی کے ساتھ ہندوی میں بھی اشعار، کہہ مکرنیاں پہیلیاں اور دوہے کہے ہیں اور ریختہ کی اصطلاح وضع کر کے فارسی اور اردو کے امتزاج سے بعض غزلیں کہی ہیں۔ مشہور غزل:

زحالِ مسکیں مکن تغافل درائے نینا بنائے بتیاں = کہ تابِ ہجراں نہ دارم اے جاں نہ لیہو کاہے لگائے چھتیاں

امیر خسرو سے ہی منسوب کی جاتی ہے۔ کئی محققین و ناقدین نے امیر خسرو کو ہی شمالی ہند کا پہلا باقاعدہ اردو شاعر تسلیم کیا ہے۔ شمالی ہند میں بھکتی تحریک کے زیر اثر کبیر نے اپنے کلام میں ایسی زبان استعمال کی جسے ہندو مسلمان دونوں کی مشترکہ زبان کہا جا سکتا ہے۔ بقول مولوی عبدالحق : -

''حضرت کبیر نے جس طرح ہندوؤں اور مسلمانوں کے مذاہب کو ایک کرنے کی کوشش کی ہے اسی طرح ان دونوں کی زبان کو بھی اپنے کلام میں بڑی خوبی سے ملا کر ایک کر دیا ہے۔ یہیں سے اردو یا ہندستانی کی بنیاد شروع ہوتی ہے اور اس میں شبہ نہیں کہ کبیر اس زبان کے اولیں بانیوں میں سے ہیں جو ہندستان کی عام زبان کہلانے کی مستحق ہے''۔ یہی بات گرونانک کے کلام اور اس عہد کے صوفیوں کے لئے بھی کہی جا سکتی ہے۔

1526ء میں شمالی ہند میں بابر نے مغلیہ سلطنت کی بنیاد رکھی تھی۔ بابر سے متعلق کہا جاتا ہے کہ وہ فارسی اور ترکی دونوں زبانوں میں شعر کہتا تھا۔ اس کی تحریر کردہ ضخیم کتاب ''تزکِ بابری'' میں مقامی زبان یعنی اردو الفاظ کا استعمال کثرت سے ملتا ہے جو اس بات کا ثبوت ہے کہ اس کے عہد میں شمالی ہند میں مشترکہ عوامی زبان تیزی سے مقبولیت حاصل کر رہی تھی۔ عہد اکبر و جہانگیر سے متعلق الرحیم خان خاناں نے ریختہ میں دو غزلیں دستیاب ہیں۔ ایک غزل کا مطلع ملاحظہ کیجئے:

ارے ناداں تیں اپنے سجن کو کیوں رٹھایا ہے = رٹھا کر پیو کوں جگ میں کسو نے ذوق پایا ہے

عہد جہانگیر میں ریختے کی سب سے اچھی مثال مولانا افضل جھنجھانوی کا ''بارہ ماسہ'' یا بکٹ کہانی'' ہے۔ جہانگیر کے زمانے کے شاعر خاکی کی غزل کا یہ مطلع بھی اس عہد کے معیار کو ظاہر ہوتا ہے۔

اس جگ کے تے سر دوں ستی ناہیں کوئی تجھ سار کا = توں یاسمن کا پھول ہے فردوس کے گلزار کا

دور شاہ جہاں میں چندر بھان برہمن کے نام ایک اردو غزل منسوب کی جاتی ہے۔

اورنگ زیب کے آخری دور میں فارسی زبان کی مقبولیت رفتہ رفتہ کم ہونے لگی تھی اور اس کی جگہ مشترکہ مقامی زبان کو حاصل ہو رہی تھی اور اسی زبان میں اشعار بھی کہے جا رہے تھے۔جھجھر کے محبوب عالم کا ''محشر نامہ'' ''خواب نامہ'' اسی مشترکہ زبان کا نمونہ ہے۔ بھاشاؤں کا مشترکہ روپ جسے ابتدائی اردو کہا جا سکتا ہے، پنجاب میں بھی ترقی کر رہا تھا۔ پنجاب میں شیخ ناصر علی جن کا تخلص علی تھا فارسی کے شاعر تھے لیکن مقامی زبان میں ان کی کہی ہوئی غزلیں بھی خاصی شہرت حاصل کی تھی۔ایک شعر نمونے کے طور پر پیش کیا جاتا ہے:

چندر سے مکھ پر یہ خال مشکیں ٹپٹ بہ شوخی لٹک رہا ہے

عجب ہے یاراں کہ ایک زنگی بملک رومی اٹک رہا ہے

اورنگ زیب کے عہد میں جن ہزل گوشعرا نے اردو زبان میں شعر کہہ کر اسے مقبول بنانے کی سعی کی ہے ان میں میر جعفر زٹلی ، سید اٹل نارنونی اور عطا کے نام قابل ذکر ہیں۔

شمالی ہند میں 1700ء سے قبل کے ریختہ گوشعرا کے کلام میں فارسی حروف و افعال، ہندی الفاظ کے ساتھ استعمال کیے جاتے تھے۔ یہی وہ خوبی ہے جو دکنی شاعری سے قدرے مختلف ہے۔ مثال کے طور پر شیخ عثمان کے یہ اشعار پیش کیے جاتے ہیں:

عاشق دیوانہ ام آؤ پیارے جیب

از ہمہ بیگانہ ام آؤ پیارے جیب

اے دل و دیں جان من درد تو درمانِ من

ذکر تو سامانِ من آؤ پیارے جیب

مذکورہ بالا پوری غزل فارسی میں ہے صرف ردیف اردو کی ہے۔ ایسی مثالیں اس عہد کے دیگر شعرا کے یہاں بھی مل جاتی ہیں۔ یہ مثالیں ثابت کرتی ہیں کہ ریختہ یا ملی جلی زبان میں شعروشاعری اور گیت اور پہیلیاں کہنے کا جو سلسلہ امیر خسرو نے شروع کیا تھا وہ مقامی زبان کے بڑھتے ہوئے اثرات کے سبب پورے ملک میں رائج ہو گیا تھا اور اس طرز میں کئی شعرا نے طبع آزمائی کی ہے۔ بقول نورالحسن ہاشمی : '' یہ فارسی آمیز بھاشا یعنی زبان اردو جب اس قدر رائج ہوگئی کہ بغیر اس زبان میں پڑھے لکھے چارہ کار نہ رہا تو مجبوراً لوگوں نے اسی زبان کو اپنے خیالات، احساسات اور جذبات کا ذریعہ اظہار بنانا شروع کیا۔ کبھی محض تفنن کے طور پر اور کبھی سنجیدگی کے ساتھ''۔اس کے باوجود شمالی ہند میں اس عہد میں اردو شاعری کو وہ قدر و منزلت حاصل نہیں ہوسکی جو کہ اُسے دکن میں حاصل تھی۔ دکن میں نہ صرف اسے سرکاری زبان کا درجہ ملا بلکہ ادبی زبان کی حیثیت بھی حاصل رہی۔ یہی وجہ ہے کہ وہاں یعنی دکن میں اردو نثر ونظم کے نمونے بہت پہلے ملنا شروع ہو جاتے ہیں۔البتہ ولی دکنی کے کلام سے متاثر ہو کر اہل دہلی نے اردو شاعری کی جانب توجہ کی اور 1700ء سے یہ سلسلہ شمالی ہند میں باقاعدگی کے ساتھ شروع ہو گیا۔

دبستان دلّی ، عالم گیر کی وفات1707ء سے بہادرشاہ ظفر کے عہد تک تقریباً ڈیڑھ سو سال کے عرصے پر محیط ہے۔ عالم گیر کی موت کے بعد اس کے بیٹوں میں اقتدار کی جنگ چھڑ جانے سے مغلیہ سلطنت کمزور ہوگئی۔ اندرونی اور بیرونی حملوں نے دلّی کو تباہ و برباد کر دیا۔انھیں پریشان کن حالت اورعبرت خیز میں شمالی ہند میں اردو شاعری پروان چڑھی۔ عالموں، شاعروں، ادیبوں، فنکاروں نے ان حالات سے تنگ آکر فرخ آباد، فیض آباد، لکھنؤ وغیرہ شہروں کا رخ کیا۔ اس عہد کے شعرا نے ''شہرآشوب'' لکھ کر دہلی اور اپنی بربادی اور تباہ حالی کا حال لکھ کر اپنے دل کے پھپھولے پھوڑے ہیں۔ دہلی کی یہ سیاسی ابتری عالم گیر کی وفات کے بعد سے 1857ء تک کم بیش یکساں رہی۔ ادب کیونکہ اپنے عہد اور سماج کا آئینہ دار اور ترجمان ہوتا ہے لہٰذا اس عہد کا ادب انھیں حالات کا مظہر ہے جسے ''دہلویت'' سے موسوم کیا جاتا ہے۔

22.3.2 دہلی دبستان کے موضوع، معیار اور اردو

طریقۂ فکر اور طرز تمدن ایک دوسرے پر اثر انداز ہوتے ہیں۔شعروادب اپنے عہد کے طرزِ تمدن اور طریقۂ تفکر کا آئینہ دار ہوتا ہے۔ جیسے حالات ہوتے ہیں ویسا ہی ادب تخلیق ہوتا ہے۔ شاعر یا ادیب سماج کا ہی ایک فرد ہوتا ہے لہٰذا وہ جو کچھ دیکھتا، محسوس کرتا اور سوچتا ہے اسے ہی اپنے فن کا موضوع بناتا ہے۔ دبستان دلّی کی شاعری اور اس کے موضوعات و معیار وہاں کے سیاسی ،سماجی، تہذیبی حالات کا نتیجہ ہیں جو ایک طویل عرصے تک یکساں ماحول اور حالات کے سبب معرض و جود میں آئے ہیں۔

عہد مغلیہ میں مروجہ شاعری کا معیار ایرانی شاعری کے مماثل تھا۔فارسی کو سرکاری اور ادبی زبان کا درجہ حاصل تھا۔ بیرونی اور مقامی حضرات کے میل جول سے جب ایک نئی زبان اردو کا رواج عام ہوا اور اس نے رابطے کی زبان کے ساتھ ہی ادبی زبان کا درجہ بھی حاصل کر لیا تو اردو شاعری نے فارسی شاعری سے اثرات قبول کر کے اس کے تمام مروجہ موضوعات و معیار کو اپنے دامن میں سجا لیا''عشق مجازی وحقیقی'' کی روایت حسن کی جلوہ سامانیاں، فارسی طرزِ بیان، صنائع بدائع،تشبیہات و استعارات وتلمیحات و مصطلعات ابتدائی اردو شاعری میں اس طرح شامل ہو گئے جیسے وہ اسی کا حصہّ تھے البتہ زبان کی حد تک اردو شاعری میں مقامی الفاظ ''بھاشا کے اثرات'' کے استعمال نے اسے ایک ایسا نیا رنگ و آہنگ عطا کر دیا کہ وہ علیحدہ سے پہچانی جانے لگی۔فارسی شاعری کے موضوعات مسلمات اور معیار نے اگر چہ اردو شاعری کو اپنے حلقۂ اثر میں باندھے رکھا۔ اس طرح اردو شاعری کی بنیاد فارسی شاعری پر رکھی جانے کے سبب ابتدائی اردو شاعری اسی رنگ میں رنگی نظر آتی ہے۔ پہلے دور کی اردو شاعری میں یہ اثرات نمایاں نظر آتے ہیں۔ سراج الدین علی خاں آرزؔو،نیک چند بہاؔر،جعفر زٹلی وغیرہ کا کلام اسی رنگ وطرز کا حامل ہے۔ البتہ ولؔی کے بعد شمالی ہند میں دوسرے دور میں جن شعرا نے ولؔی سے متاثر ہوکر اردو میں شعرگوئی کا آغاز کیا ان میں حاتؔم، آبرؔو، فائزؔ،مضموؔن، شاکؔر، ناجؔی وغیرہ نے ایہام گوئی کے ذریعے اپنی پہچان قائم کی۔ مذکورہ بالا شعرا نے فارسی کے ساتھ ساتھ ہندی الفاظ وتراکیب کا استعمال بھی سادگی مگر فنکاری کے ساتھ کیا ہے۔

شمالی ہند کے تیسرے دور میں مرزا مظہر جانِ جاناؔں، سوؔدا، میرؔ، میر درؔد، اور میر سوؔز نے ایہام گوئی کے اثرات کو رد کرتے ہوئے سادگی اور سچائی کے ساتھ اپنے دلی جذبات واحساسات کو شعر کے پردے میں اثر وتاثیر کے ساتھ

بیان کر کے اپنی انفرادیت قائم کرنے میں کامیابی حاصل کی۔ یہاں تک آتے آتے اردو زبان میں خاصی وسعت اور تخلیقی صلاحیت پیدا ہو چکی تھی۔ مذکورہ شعرا نے اپنے کلام سے اردو شاعری کو جو اعتبار عطا کیا اس سے اس کی مقبولیت میں خاطر خواہ اضافہ ہو گیا۔

چوتھے دور میں انؔشا، مصحفؔی، رنگینؔ اور جراتؔ نے اپنے رجائی انداز سے اردو شاعری کو نیا لب و لہجہ عطا کرنے کی کوشش کی۔

پانچویں دور میں شاہ نصیر، ذوقؔ، غالبؔ، مومنؔ، ظفؔر وغیرہ نے موضوع و اسلوب دونوں اعتبار سے اردو شاعری کو معیار کی بلندی پر پہنچا دیا۔

چھٹا اور آخری دور پانچویں دور سے متعلق شعرا کے شاگردوں کا ہے جس میں داغؔ، ظہیرؔ، انورؔ، سالکؔ، حالؔی، مجروحؔ، شیفتہؔ وغیرہ نے زبان دانی، محاورہ بندی، معاملہ بندی، رچاؤ اور کیف و سرور سے اپنے کلام کو مزین کر کے ایک نیا رنگ و آہنگ عطا کیا ہے۔ دبستان دہلی کے مذکورہ بالا چھے ادوار تقریباً ڈھائی سو سال1112ھ تا1361ھ پر محیط ہیں۔ جن کے مطالعے سے دہلی کی سیاسی ،سماجی، تاریخی اور تہذیبی حالات اور اس کے زیر اثر تخلیق ہونے والے شعر و ادب کا انداہ کیا جا سکتا ہے۔

دہلی کی شاعری میں فارسی شاعری کے اثرات نمایاں رہے ہیں۔ لیکن حالات کی سنگینی، ابتری، انتشار اور بدنظمی کے سبب یہاں کی شاعری میں تصوف درد و کسک، سوز و الم، سادگی اور داخلیت کا رنگ شروع سے آخر تک غالب نظر آتا ہے۔ تصوف نے بنیادی موضوع کی حیثیت اختیار کر لی جس کے سبب دہلی کی شاعری میں جہاں خوفِ خدا، استغنا، قناعت، صبر و توکل، سادگی، بے ثباتی دنیا، غم نصیبی، ہجر و تنہائی وغیرہ موضوعات مخصوص ہو گئے وہیں فارسی شاعری کے زیر اثر عشقِ مجازی اور حسن کی دلفریب اداؤں کا بیان، محبوب کا سراپا، رقیب پر طنز، معشوق کی بے وفائی اور سخت مزاجی کے مرقعے بھی پیش کئے گئے۔

22.3.3 دہلویت سے کیا مراد ہے

دہلویت سے مراد وہ مخصوص مزاج شعری، افتاد ذہنی اور نقطۂ نظر ہے جو ایک طویل عرصے تک یکساں سیاسی و تہذیبی حالات کے سبب مُعرض وجود میں آیا اور جس سے دہلی میں ہر عہد کے شعرا نے اثر قبول کر کے مخصوص حالات اور موضوعات کو شعر کے پردے میں بیان کیا ہے۔ داخلیت، تصوف، سادگی اور دردو اثر دہلویت کی وہ نمایاں خصوصیات ہیں جن سے دلّی کے دبستان شاعری کو ایک پہچان ہی نہیں ملی بلکہ جو لکھنویت یا لکھنؤ کے دبستانِ شاعری سے اسے منفرد و ممتاز بناتی ہے۔ اس بات کو اس طرح بھی کہا جا سکتا ہے کہ دہلویت دراصل لکھنویت کا دوسرا رخ ہے یا اس کے برعکس ہے اور یہ فرق دونوں مقامات کے مخصوص سیاسی و تہذیبی حالات کا نتیجہ ہے۔ بقول پروفیسر نورالحسن ہاشمی:

''مختصر یہ کہ ان کے یہاں زندگی دہلی کی زندگی بالکل ضد ملے گی۔ ایک جگہ تباہی تھی دوسری جگہ تعمیر۔ دہلی کے شاعر کو حسن بھی بلائے چشم اور نغمہ و یال گوش نظر آتا تھا۔ بر خلاف اس کے لکھنؤ کا شاعر شبِ فرقت کو بھی ٹھاٹ سے گزارتا دکھائی دیتا ہے۔ معاشی اختلاف نے مزاج اور طبعیت اور طریقۂ تفکر پر تو اثر ڈالا ہی لیکن یہ اثر قائم کیا

مذہبی معتقدات اور اخلاقی نقطۂ نظر کے فرق نے دہلی میں صوفیانہ تعلیم، علمی اور ذہنی تربیت کے لیے عرصے سے نام زد چلی آرہی تھی۔ برخلاف اس کے لکھنؤ میں شیعیت کا زور تھا۔۔۔۔۔اور پھر جب مرفہ حالی بھی ہو تو ایسے ماحول میں قناعت، صبر و توکل و استغنا کی گنجائش کہاں، یہاں درویشانہ قلندرانہ یا زاہدانہ شان بالکل بے معنی تھی"۔

ایک جگہ مجبوری کی سادگی تھی تو دوسری جگہ مجبوری کی شادمانی۔ ایک جگہ داخلیت اور قنوطیت تھی تو دوسری خارجیت اور رجائیت۔ ایک جگہ روحانی یا دلی جذبات کی کارفرمائی ہے تو دوسری جگہ رنگینیاں اور رعنائیاں۔ ایک جگہ من کی دنیا ہے تو دوسری جگہ تن کی دنیا۔ ایک جگہ درد و سوز اور رنج و غم ہے تو دوسری جگہ ہنسی، قہقہے اور دل لگی کے سامانِ عیش۔ ایک جگہ آہ ہے تو دوسری جگہ واہ۔

منشی وجاہت حسن جھنجھانوی نے دونوں دبستانوں کی لفظی اور معنوی خصوصیات کا جائزہ اس طرح پیش کیا ہے:

"دہلی: اردوئے معلےٰ۔ فصاحت، سادگی، سلاست، آہ

لکھنؤ: اردوئے معلےٰ۔ بلاغت، رنگینی، رعایتِ لفظی، واہ

پروفیسر نورالحسن اس خیال کو اس طرح بیان کرتے ہیں:

دہلی: معنوی حیثیت سے: روحانیت یعنی وارداتِ قلبیہ، خلقہ وتصوف، علو خیال، ہجر نصیبی، انفرادیتِ احساس۔ لفظی حیثیت سے: سادگی، صفائی، روانی، فصاحت، متانت، شگفتگی، گھلاوٹ

لکھنؤ: معنوی حیثیت سے: خارجی مضامین "خصوصاً عورتوں کے سراپا، زیور اور ملبوسات کے متعلق تمثیلیت، مضمون بندی، ابتذال" لفظی حیثیت سے: قافیہ پیمائی، رعایتِ لفظی، لغت سازی، غرابت، خوبی بندش

دہلویت اگر چہ دلی کے دبستان شاعری سے متعلق ہے لیکن نورالحسن ہاشمی کا خیال ہے کہ اس کے اثرات دائمی ہیں۔ اس سلسلے میں وہ رقمطراز ہیں:

"دہلی میں شاعری اپنی معنوی حیثیت سے ایسی بنیادوں پر کھڑی ہوئی ہے جو انسان کی زندگی کے ساتھ ساتھ ہیں اس لئے دہلویت اردو شاعری میں ایک ایسی کیفیت ہے جو ہمیشہ لطف دینے، ہمیشہ قائم رہنے والی اور ہمیشہ نئے رنگ و روپ میں نئے سرے سے پیدا ہونے والی ہے۔

یہ صحیح ہے کہ دہلی سے دہلویت اس کے تمدن کے ساتھ رخصت ہوگئی لیکن دہلویت خود ایک نفسی کیفیت ہونے کے باعث ضرور کبھی کسی نہ کسی طرح کی شاعری میں جلوہ گر ہوتی رہے گی۔

برخلاف اس کے لکھنویت زبان پر اساس کلام رکھنے کے باعث ایک مخصوص ماحول و مقام اور وقت کی پابند ہو کر اپنی چمک دکھا کر رخصت ہو گیا۔

اس لئے لکھنویت اب محض ایک تاریخی حیثیت رکھے گی جس کا اہم کارنامہ رنگینی بیان، لغت تراشی اور زبان سازی سمجھا جائے گا"۔

دہلی اور لکھنؤ کا یہ فرق وہاں کے سیاسی، سماجی، تہذیبی حالات کا نتیجہ ہے۔ جیسے جہاں کے حالات تھے ویسا ہی وہاں ادب تخلیق ہوا۔ دہلی سے ہجرت کر کے فیض آباد اور لکھنؤ جانے والے بیشتر فنکار بھی اسی عیش پسندانہ ماحول کے رنگ میں رنگ گئے اور ان کے لب و لہجے نیز موضوعات نے بھی وہی شکل اختیار کر لی جو کہ لکھنؤ کے معیار شاعری کا حصہ تھی۔

کسی بھی مقام کے سیاسی، سماجی حالات وہاں کے زبان و ادب پر اثر انداز ہوتے ہیں۔ دہلی کے مخصوص حالات نے جس مخصوص زبان، روز مرہ محاورات اور لفظیات کو رائج کیا وہی زبان وہاں کی ادبی زبان بن گئی۔ لکھنؤ کے حالات کیونکہ دہلی کے حالات سے مختلف تھے اور زبان کا یہی فرق دونوں دبستانوں کو ایک دوسرے سے علاحدہ کرتا ہے۔ دونوں دبستانوں سے متعلق فنکار اپنے اپنے مقامات کی لسانی برتری ثابت کرنے میں مصروف رہے۔ میر تقی میرؔ نے ''مستند ہے میرا فرمایا ہوا'' کہہ کر دہلی کی شاعرانہ اور لسانی خصوصیات کا دعویٰ کیا وہیں رجب علی بیگ سرور نے میر امن کی ''باغ و بہار'' پر طنز و تعلّی سے کام لے کر لکھنؤ کی لسانی برتری ثابت کرنے کی کوشش کی۔ زبان سے متعلق دہلوی اور لکھنوٴ فنکاروں کی یہ معرکہ آرائی بعد کو معنی و اسالیب تک پہنچ گئی۔

دہلی میں زبان دو سطحوں پر ترقی کر رہی تھی ایک شاہی سطح تھی جو قلعہ معلےٰ سے متعلق تھی دوسری عوامی سطح جس کا تعلق شہر اور بازار سے تھا۔ اگر چہ دونوں سطح کی زبانوں میں نمایاں فرق تھا لیکن دہلوی شعرا کی تخلیقات میں مذکورہ دونوں رنگ باہم دگر نظر آتے ہیں۔ یہی وہ رنگ ہے جس نے دہلوی زبان میں سادگی، سلاست، وقار، متانت، سوز اور اثر پیدا کر دیا ہے۔

دہلی کی ابتدائی دور کی شاعری میں تین طرح کے اثرات دکھائی دیتے ہیں: 1۔ فارسی آمیز زبان، 2۔ ولؔی کے کلام کے زیر اثر دکنی اردو، 3۔ عوامی بول چال کی زبان جس نے پورے ملک کے لئے ٹکسالی زبان کا درجہ حاصل کر کیا تھا۔ دہلی میں ابتدائی دور کی زبان نے ابھی کوئی واضح شکل اختیار نہیں کر سکی تھی۔ اس عہد میں کبھی فارسی آمیز زبان لکھی جا رہی تھی کبھی ہندی آمیز۔ رفتہ رفتہ دہلی کی زبان میں پختگی پیدا ہو گئی اور وہ ''مستند ہے میرا فرمایا ہوا'' کا نمونہ بن گئی۔

22.3.4 دہلی کے نمائندہ شعرا کا نمونۂ کلام

دہلی میں اردو شاعری کا ابتدائی دور ''دور ایہام گوئی'' کے نام سے جانا جاتا ہے۔ آبرؔو، حاتمؔ، مضموؔن، ناجؔی، یک رنگؔ وغیرہ معروف ایہام گو شعرا تسلیم کئے جاتے ہیں۔

ایہام گوئی سے تعلق محمد حسین آزاد نے ''آب حیات'' میں لکھا ہے:

> نظم اردو کے آغاز میں یہ امر قابلِ اظہار ہے کہ سنسکرت میں ایک لفظ کے کئی کئی معنی ہیں۔۔۔۔ فارسی میں یہ صفت ہے مگر کم۔ اردو میں پہلے پہل شعر کی بنیاد اس پر رکھی گئی''۔

مضمون کے اس شعر سے بھی اس بات کا پتہ چلتا ہے:

ہوا ہے جگ میں مضموؔن شہرہ تیرا

طرح ایہام کی جب سیں نکالی

اس عہد میں ایہام گوئی ہی شاعری کا اصل معیار قرار پائی۔بطور نمونہ چند اشعار پیش کیے جاتے ہیں:

خجلت سے تجھ نگہ کی مے ہوگئی ہے پانی
کہنا بجا ہوا ہے شیشے کو آب گینا (آبرو)

ترا مکھ ہے سرچشمۂ آفتاب
نہ لاوے ترے حسن کی ماہ تاب(مضمون)

اگر آوے مرے گھر وہ پیارا
کوں اس ماہ کو آنکھوں کا تارا (یک رنگ)

ہر قدم پر ہمیں ہے سیر بہشت
اس کا ہر نقشِ پا گلستاں ہے(حاتم)

نین سے نین جب ملائے گیا
دل کے اندر مرے سمائے گیا(آبرو)

اس عہد کے اشعار میں زبان کے ساتھ تشبیہ و استعارے کی سادگی بھی دیکھی جا سکتی ہے۔ دور ایہام گوئی کے بعد مرزا مظہر جانِ جاناں، سودا، درد، میر وغیرہ کا دور شروع ہوتا ہے جسے شعرائے متقدمین سے موسوم کیا جاتا ہے۔ یہ اردو شاعری کا وہ سنہری دور ہے جس میں زبان و بیان، موضوع و اسلوب اور اصناف سخن ہر لحاظ سے اردو شاعری نے شاندار منازل طے کیں اور ایسا نقش قائم کر دیا جس سے شعرائے متاخرین نے بھی اکتسابِ فیض کر کے اپنے کلام کو معتبر و مستند بنایا۔ اس دور میں ایہام گوئی متروک قرار دی گئی اور زندگی اور سماج کے معاملات و مسائل کو پر اثر انداز میں اس طرح پیش کیا گیا کہ شاعری مثالی ہنر بن گئی بقول میر:

دل کس طرح نہ کھینچے اشعار ریختہ کے
بہتر کیا ہے میں نے اس عیب کو ہنر سے

میر نے سوز وغم، سودا نے شوخی اور درد نے تصوف کے ذریعے اردو شاعری کو ایک نیا رنگ و آہنگ عطا کیا۔میر کے اشعار ان کے عہد کے حالات کا مرقع ہیں:

شاہاں کہ کحلِ جواہر تھی خاکِ پا جن کی
انھیں کی آنکھوں میں پھرتی سلائیاں دیکھیں
لے سانس بھی آہستہ کہ نازک ہے بہت کام

آفاق کی اس کارگہہِ شیشہ گری کا
ہستی اپنی حباب کی سی ہے
یہ نمائش سراب کی سی ہے

یہ معاملہ دردؔ اور دیگر شعرا کے یہاں بھی نظر آتا ہے مثلاً

زندگی ہے یا کوئی طوفان ہے
ہم تو اس جینے کے ہاتھوں مرچلے
وائے نادانی یہ وقت مرگ یہ ثابت ہوا
خواب تھا جو کچھ کہ دیکھا جو سنا افسانہ تھا

دردؔ کا کلام تصوف کی چاشنی سے پُر ہے مثلاً

جگ میں آکر اِدھر اُدھر دیکھا
تو ہی آیا نظر جدھر دیکھا

سودا کے لہجے میں شوخی اور بے باکی پائی جاتی ہے وہ آپ بیتی سے زیادہ جگ بیتی کے شاعر ہیں:

گل پھینکے ہیں اوروں کی طرف بلکہ ثمر بھی
اے خانہ بر انداز چمن کچھ تو ادھر بھی
جس روز کسی اور پہ بیداد کروگے
یہ یاد رہے ہم کو بہت یاد کروگے

یہ دور تیسرا دور کہلاتا ہے اسی دور سے چوتھے دور کا آغاز مصحفیؔ، انشاؔ، جراتؔ اور رنگینؔ سے ہوتا ہے۔اس عہد کے شعرا نے زبان کو سنوارنے اور نکھارنے کی کوشش کی۔ نئے موضوعات کلام میں پیش کیے گئے۔ مصحفیؔ کو چھوڑ کر مذکورہ بالا شعرا جب تک دہلی میں رہے دہلی کے رنگ میں شعر کہتے رہے۔لیکن لکھنؤ منتقل ہو جانے کے بعد لکھنوی طرز کی شاعری کرنے لگے۔نمونہ کلام:

کیا کہا؟ کن نے کہا؟ کس سے کہا؟ کب کس گھڑی
کس جگہ کس وقت، کس دم آپ کا چرچا کیا
نہ چھیڑ اے نکہتِ باد بہاری راہ لگ اپنی
تجھے اٹکھیلیاں سوجھی ہیں ہم بے زار بیٹھے ہیں(انشاؔ)

لہجے کی نرمی اور زبان کی صفائی مصحفیؔ کے کلام کی نمایاں خصوصیت ہے مثلاً

اپنی تو اس چمن میں نت عمر یوں ہی گزری
یاں آشیاں بنایا واں آشیاں بنایا

ترے کوچے ہر بہانے مجھے دن کو رات کرنا
کبھی اس سے بات کرنا کبھی اس سے بات کرنا

جرأتؔ کا کلام معاملہ بندی سے عبارت ہے مثال کے طور پر شعر ملاحظہ کیجیے:

لگ جا گلے سے تاب اب اے نازنیں نہیں
ہے ہے خدائے واسطے مت کر نہیں نہیں

رنگینؔ کے کلام میں رنگینی نمایاں ہے صنف ریختی انھیں کی ایجاد ہے۔ شعر ملاحظہ کیجئے:

میری چھاتی سے لپٹ جایئے اور سو رہیے
آیئے آیئے بس آیئے اور سو رہئے

پانچواں دور نصیرؔ، ذوقؔ، غالبؔ، مومنؔ، ظفرؔ کا ہے۔ اس عہد تک آتے آتے اردو شاعری میں گہرائی اور پختگی پیدا ہو جاتی ہے۔ زبان ایک معین شکل اختیار کر لیتی ہے۔ نصیرؔ، ذوقؔ اور ظفرؔ یہاں زبان دانی اور زبان سازی کا عمل نمایاں نظر آتا ہے جبکہ مومنؔ اور غالبؔ کا کلام معنویت، فکری عنصر اور ندرت خیال کے سبب منفرد رنگ اختیار کر لیتا ہے۔ زبان دانی اور زبان سازی کی چند مثالیں ملاحظہ کیجئے:

تو وہ چمن آرا ہے کہ ہر دستہ نرگس
دیکھے ہے تر بن کے تماشہ ہمہ تن چشم

سدا ہے اس آہ و چشم و تر سے فلک پہ بجلی زمین پہ باراں
نکل کے دیکھو ٹک اپنے گھر سے فلک پہ بجلی زمیں پہ باراں (نصرؔ)

کیے ضبط اشک آہ پہنچی فلک پر
مرا عشق کم خرچ بالا نشیں ہے (ذوق)

ظفرؔ مشکل پسندی تیری اب کس کو آتی ہے
سخن ور دیکھ کر بہ طرز مشکل ہاتھ ملتا ہے

تم مرے پاس ہوتے ہو گویا
جب کوئی دوسرا نہیں ہوتا (مومنؔ)

صبر وحشت اثر نہ ہو جائے

کہیں صحرا بھی گھر نہ ہو جائے(مومنؔ)

غالبؔ کے یہاں شوخی کے ساتھ فکر و فلسفہ بھی ملتا ہے وہ اپنی بات اس طرح کہتے ہیں:

درد منتِ کشِ دوا نہ ہوا
میں نہ اچھا ہوا، برا نہ ہوا(غالبؔ)

بازیچۂ اطفال ہے دنیا مرے آگے
ہوتا ہے شب و روز تماشا مرے آگے

نقش فریادی ہے کس کی شوخیِ تحریر کا
کاغذی ہے پیراہن ہر پیکرِ تصویر کا

دبستانِ دہلی کا چھٹا اور آخری دور ذوقؔ، مومنؔ، غالبؔ کے شاگردوں سے متعلق ہے جن میں داغؔ، حالی، ظفرؔ، ظہیرؔ، مجروحؔ، شیفتہؔ، آزادؔ، سالکؔ وغیرہ کے نام قابل ذکر ہیں۔ مذکورہ بالا شعرا میں سوائے داغؔ دہلوی کے وہ ندرت اور انفرادیت نہیں ہے جو ان کے اساتذہ کے کلام میں نظر آتی ہے۔ داغ نے محاورہ بندی اور زباں دانی کے ذریعے بانکپن پیدا کر کے ایک نئی راہ نکالی اور شیفتہؔ و حالیؔ نے سادگی اور صفائی کے ذریعے اپنی پہچان بنائی ہے مثلاً:

شبِ وصل ضد میں بسر ہو گئی
نہیں ہوتے ہوتے سحر ہو گئی(داغ)

رنج کی جب گفتگو ہونے لگی
آپ سے تم، تم سے تو ہونے لگی(داغ)

بھنویں تنتی ہیں خنجر ہاتھ میں ہے تن کے بیٹھے ہیں
کسی سے آج بگڑی ہے جو وہ یوں بن کے بیٹھے ہیں

ہے جستجو کہ خوب سے ہے خوب تر کہاں
اب ٹھہرتی ہے دیکھیے جاکر نظر کہاں(حالی)

عشق کہتے تھے جسے ہم وہ یہی ہے شاید
خود بہ خود دل میں ہے اک شخص سمایا جاتا

شاید اسی کا نام محبت ہے شیفتہؔ
اک آگ سی ہے سینے کے اندر لگی ہوئی

22.4 آپ نے کیا سیکھا :

اس اکائی میں آپ

1۔ دہلی کے دبستان سے واقف ہوئے

2۔ دہلی میں اردو شاعری کے پس منظر سے متعارف ہوئے

3۔ دہلویت کے معنی و مطالب کو سمجھا

4۔ دلّی کے دبستانِ شاعری کی ادبی خصوصیات سے واقف ہوئے

5۔ دہلی دبستان کے شعرا کے نمونۂ کلام سے متعارف ہوئے

22.5 اپنا امتحان خود لیجئے

1 دہلی دبستان کے چند نمائندہ شاعروں کے نام بتایئے۔

2 دہلی دبستان کی شاعری کی ادبی خصوصیات بیان کیجئے۔

3 دبستانِ دہلی کس اہم اصنافِ شاعری کے لئے جانا جاتا ہے۔

4 دبستان کسے کہتے ہیں۔

22.6 فرہنگ

عوامل	=	عمل کی جمع
محرکات	=	محرک کی جمع
وجہ تسمیہ	=	نام رکھنے کی وجہ
تشکیل و تعمیر	=	بناوٹ
ارتقا	=	ترقی کرنا
علمبردار	=	جھنڈا اٹھانے والا
آمیزش	=	ایک دوسرے میں ملنا
متحدہ	=	اتحاد
ارتباط	=	میل جول ،ربط
قواعد	=	قاعدہ کی جمع ،دستور
ضوابط	=	ضابطہ کی جمع

پیروی	=	نقل کرنا
اصرار	=	ضد کرنا، تاکید کرنا
انحراف	=	انکار
اہالیانِ ادب	=	ادب کے ماہرین
مفصّل	=	تفصیل کے ساتھ
مستثنیات	=	الگ، علیحدہ کی جمع
کلیّات	=	مجموعہ، تصانیف
اسالیب	=	اسلوب کی جمع
مخلوط	=	ملا ہوا
ضخیم	=	موٹا، بہت بڑا
فردوس	=	جنّت
گلزار	=	باغ
تفنّن	=	شغل، دل لگی
محیط	=	احاطہ کرنے والا، گھیرنے والا
اقتدار	=	اختیار، بڑائی، شان شوکت
کم و بیش	=	تقریباً
مماثل	=	یکساں
مظہر	=	ظاہر
وسعت	=	پھیلاؤ
انتشار	=	بکھراؤ
استغنا	=	بے نیازی
قناعت	=	صبر، تھوڑی چیز پر گزارا کرنا
مرقعے	=	شکلیں
معتقدات	=	عقیدتیں
رجائیت	=	زندگی کا تاریخ پہلو دیکھنا
داخلیت	=	اندرونی
ملبوسات	=	لباس کی جمع
ابتذال	=	بے اختیاری
مستند	=	معیاری
تعلّی	=	تعریف کرنا
معروف	=	مشہور

بہشت	=	جنّت
منازل	=	منزل کی جمع
اکتساب	=	کمانا
متروک	=	ترک کیا گیا
کحل	=	سرمہ
سراب	=	دھوکا
مرگ	=	موت
ثمر	=	پھل
معین	=	طے ہونا
ندرت	=	نیا پن
باراں	=	مینہ
اشک	=	انسو
صحرا	=	ریگستان
بازیچہ	=	کھلونا
اطفال	=	بچّے

22.7 سوالوں کے جوابات

1۔ دہلی دبستان کے چند نمائندہ شاعروں کے نام ہیں:

حاتمؔ، دردؔ، سوداؔ، میرؔ، غالبؔ، مومنؔ، داغؔ

2۔ دبستانِ دہلی کی شاعری کی ادبی خصوصیات ہیں:

1۔ سادگی، روانی

2۔ خارجیت، قنوطیت

3۔ تصوف، روحانیت

4۔ آمد اور بے ساختگی

3۔ دبستانِ دہلی کی اہم اصنافِ شاعری:

قصیدہ، غزل، جبکہ لکھنؤ مرثیہ، اورمثنوی کے لئے مشہور ہے

4۔ دبستان کی تعریف اس طرح کی گئی ہے:

دبستان کے تحت شعرا و ادبا خاص رویہ اختیار کر کے مخصوص طرزِ اسلوب پر عمل پیرا ہو کر اپنے شاگردوں کی پیروی کی توقع رکھتے ہیں۔ جو لوگ کسی مخصوص طرز، فکر رویے اور روش کو اختیار کرتے ہیں وہ اسی مخصوص دبستان سے متعلق تصور کئے جاتے ہیں۔ادبی دبستان کے لئے ایک خاص نقطۂ نظر، حالات، رنگ،طرز، افتادِ طبع، مزاج و ماحول کی ضرورت ہوتی ہے۔ ایک طویل عرصے تک جب کسی مخصوص

علاقے میں مخصوص حالات کے تحت مخصوص موضوعات شعر و ادب کا عنوان بنتے ہیں تو اسے دبستان کا نام دیا جاتا ہے۔

22.8 کتب برائے مطالعہ

1۔ دلّی کا دبستانِ شاعری — نور الحسن ہاشمی
2۔ دو ادبی اسکول — علی جواد زیدی
3۔ تاریخ ادب اردو — جمیل جالبی